شام پڑنے پر نظام میرے ساتھ گھر گھر گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھال تھا جس میں ۴۰ رس گلے رکھے ہوئے تھے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا اور جب وہ شیرہ آلودہ، لیک دار اور پنگ پانگ جیسے رس گلے پڑوسیوں کے دائیں ہاتھ میں غڑاپ سے گراتا تو مجھے ہنسی آ جاتی، تاہم مٹھائی قبول کر کے انہوں نے اپنے نئے ہمسائے کو بھی قبول کر لیا۔

ایک کہاوت ہے کہ بنگالی اپنے بچوں کے لیے جیتے ہیں۔ ان میں سے آٹھ لاڈلے تو میرے سامنے کی تین جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ ایک جھونپڑی میں رتنا (عمر ۱۲ سال) رہتی تھی جس کے کولھے میں چوٹ آ جانے کی وجہ سے میں اس کے گھرانے سے واقف ہوا۔ وہ اپنے گھر کی سب سے بڑی بچی ہے اور حکم چلانا خوب جانتی ہے۔ یوسف (عمر ۹ سال) محلے بھر میں گھومتا رہتا ہے، اس کے بدن پر مٹی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی ہنستی مسکراتی اور گاتی بجاتی بہن ریتا (عمر چھ سال) بھوک کا مداوا اپنی خوش طبعی سے کرنا سیکھ چکی ہے۔ ایک دوسری جھونپڑی میں کالی آفت ککلی (عمر ۹ سال) ہے جو ہمیشہ اس وقت کہیں اور ہی ہوتی ہے جب اس کی ماں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سیولی (عمر ۷ سال) ہر حکم پر احتجاج کرتی ہے اور کہتی ہے کہ "میں ہی کیوں کروں؟" روبیل (عمر ۲ سال) سب سے چھوٹا اور واحد لڑکا ہے۔ اس وجہ سے گھر کے ہر فرد کی آنکھ کا تارا ہے۔ آخری جھونپڑی میں لبھلو (عمر ۱۰ سال) کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کا ذہن اپنے ہم عمر لڑکوں سے زیادہ تیز ہے۔ اس کی بہن ریشماں (عمر ۸ سال) مجھ سے آہستہ آہستہ مانوس ہوئی، مگر اب جب کبھی میں ٹیوب ویل پر جاتا ہوں تو میرے پیچھے پیچھے آ جاتی ہے۔

ان کے درمیان ایک ماہ تک رہنے کے بعد مجھ پر کھلا کہ یہ لوگ "شندر" یعنی خانہ بدوش ہیں۔ شاید ان کے ساتھ رہتے رہتے میں بھی ان جیسا ہو گیا ہوں۔

گاندھی جی بنگالی مسلمانوں کے احساسات سے واقف تھے۔ انہوں نے مسیحی مشنریوں پر زور دیا تھا کہ وہ بنگالی مسلمانوں میں "انتہائی سادگی" کی زندگی اختیار کر کے داخل ہوں۔ سادگی کا راستہ اختیار کرنے کی راہ میں میرے بلند مرتبت ساتھی دن بھر مزدوری کرنے والے، ریڑھی کھینچنے والے، ان کی گھر بنانے والی بیویاں اور نہ دبنے والے بچے ہیں۔ ان کے قریب ہو کر میں ان کے ذہن سے سوچتا ہوں۔ --- [ترجمہ: ادارہ]

پاکستان: مسیحی۔ مسلم تعلقات خراب کرنے والے لوگ مفاد پرست ہیں ــــ فادر جیمز چنن

"مسیحی۔ مسلم رابطہ کمیشن" کے زیر اہتمام راولپنڈی میں منعقدہ ایک سیمینار میں فادر جیمز چنن

اور دوسرے مقرّرین نے اس امر پر زور دیا کہ "پاکستان کی بقاء اور سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ یہاں پر بسنے والی تمام اقلیّتوں کے تعلقات اکثریتی مسلمانوں کے ساتھ خوشگوار ہوں اور تمام قومیں جذبۂ حب الوطنی کے ساتھ پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں، مگر بعض شرپسند عناصر پاکستان کی سب سے بڑی اقلیّت مسیحیوں کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ خراب کرنے کی سازشیں کرتے رہتے ہیں جس سے دونوں طرف کے دردمند پاکستانیوں کو باخبر رہنا چاہیے۔ ہم سب، پیغمبروں کے ماننے والے اور اُن کی بخشی ہوئی سچائیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے والے لوگ ہیں، لہذا امن، آشتی اور اخوّت ہی کے مقاصد ہمارے پیشِ نظر رہنے چاہییں۔" (پندرہ روزہ کاتھولک نقیب، لاہور ــ ۱۶ تا ۳۰ جون ۱۹۹۴ء)

نعمت احمر کے مقدمہ قتل کا فیصلہ

۲ جون ۱۹۹۴ء کو جناب فیاض احمد بُھٹہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے نعمت احمر کے قاتل فاروق احمد کو ۱۴ سال قید بامشقت کی سزا کا حکم دیا ہے۔ نعمت احمر ایک ترقی پسند مسیحی اسکول ٹیچر تھے۔ چک نمبر ۲۴۲ -ر- ب دسوہہ کے لوگوں نے جہاں وہ ایک اسکول میں فرائض منصبی ادا کر رہے تھے، محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام کو اس نوعیت کی درخواستیں دی تھی کہ نعمت احمر عقائد اسلام اور اکابر اسلام کے بارے میں اکثر نازیبا ریمارکس دیتا ہے۔ ان شکایات کے نتیجے میں اُن کے خلاف محکمانہ تحقیقات ہو رہی تھیں اور حفظِ امن و امان کے تحت نعمت احمر کا تبادلہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر فیصل آباد کے دفتر میں کر دیا گیا تھا۔

۶ جنوری ۱۹۹۲ء کو ملزم فاروق احمد نے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کے دفتر جا کر چھری کے پے در پے وار کر کے نعمت احمر کو قتل کر دیا تھا۔ اس قتل پر جہاں بعض جذباتی افراد نے فاروق احمد کے فعل کی مذمّت نہ کی، وہیں مسیحی برادری نے اس قتل کی آڑ میں "قانونِ توہینِ رسالت" کے خلاف مہم چلائی۔

فاروق احمد کو سزا دیے جانے کی خبر دیتے ہوئے پندرہ روز "کاتھولک نقیب" (لاہور) نے لکھا ہے کہ "اُن (نعمت احمر) کے قتل کی وجہ [یہ تھی کہ وہ] جس گاؤں کے سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، اُسی گاؤں کا ایک ماسٹر ان کی جگہ لینا چاہتا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے نعمت احمر کے خلاف جھوٹی اشتہاری اور زبانی مہم چلائی کہ نعمت احمر نے اسلام اور حضور کے خلاف باتیں کی ہیں لہذا اُنہیں قتل کر دیا گیا۔" (اشاعت، یکم - ۱۵ جولائی ۱۹۹۴ء)